غربت نہیں، مایوسی موت لے آتی ہے

محمد عامر خاکوانی

19 جون 2010 روزنامہ ایکسپریس

یہ پچھلے جولائی کی ایک آگ برساتی دوپہر تھی۔ نہر کنارے ایک نجی یونیورسٹی کے ایڈیٹوریم میں اخوت کے بہترین انٹر پرینیورز کا انتخاب ہونا تھا۔ جن لوگوں نے اخوت کے بلاسود قرضوں سے اپنے کاروبار بہترین طریقے سے چلائے، ان میں سے چند لوگ ایوارڈ کے لیے منتخب کرنے تھے۔ اخوت کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر ڈاکٹر امجد ثاقب نے اس سادہ تقریب میں مدعو کیا۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ معذرت کرلوں، اتنی گرمی میں کہیں آنا جانا ویسے ہی مشکل ہوتا ہے، گمان یہ بھی تھا کہ روایتی قسم کی تقریب ہوگی۔ پھر سوچا کہ اخوت کی کارکردگی کے بارے میں فرسٹ ہینڈ انفارمیشن حاصل ہو جائے گی۔ بعد میں وہ فیصلہ درست ثابت ہوا۔ یہ ایک عجب انداز کی تقریب تھی۔ باری باری لوگ آتے۔ شرماتے ہوئے، سادہ، تصنع سے عاری، دھلے ہوئے بے شکن لباس پہنے، مگر پہلی نظر میں اندازہ ہوجاتا کہ وہ اس طرح کے ''پرتکلف'' لباس کے عادی نہیں۔ جھجکتے ہوئے بولنا شروع کرتے، مگر جیسے ہی ان کی محنت اور اس سے حاصل ہونے والی کامیابیوں کا ذکر آتا، ان کے لہجے میں ایک خاص انداز کا تفاخر آجاتا۔ فخر سے ذکر کرتے کہ ہم نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے اور اپنی محنت سے زندگی کا راستہ بنایا۔ ایک کے بعد دوسرا، پھر تیسرا۔ پہلی صف میں بیٹھا، مبہوت انہیں تکتا رہا۔ ان میں خواتین تھیں، ضعیف بزرگ اور معذوری کا شکار افراد بھی۔ گرین ٹاؤن کا ایک نوجوان موٹر سائیکل مکینک آیا۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک دکان پر بطور مکینک کام کرتا رہا، سو روپے دیہاڑی ملتی تھی۔ کسی نے اخوت کا بتایا، دس ہزار روپے قرض حسنہ لے کر ایک دکان لے لی، دن رات محنت کی، آمدنی تین گنا بڑھ گئی۔ دھوپ سڑی، سانده کے ایک امام مسجد نے بتایا کہ ان کی آمدنی کا دارومدار جمعہ نماز میں نمازیوں کی جانب سے دیئے گئے چندے پر تھا۔ مشکل سے گزراوقات ہوتی۔ کسی کے مشورے پر پانچ ہزار روپے قرض حسنہ لیا اور شاپنگ بیگ لے کر اعظم کلاتھ مارکیٹ میں فروخت کرنا شروع کیا۔ شروع میں سائیکل پر جاتا، پھر قسطوں پر موٹر سائیکل لیا، دو تین گھنٹے روزانہ جا کر ڈیڑھ سو روپے یافت ہو جاتی۔ یوں زندگی آسان ہوگئی بچوں کو بھی سکول

میں داخل کرا دیا۔ ہر ایک کہ کہانی دوسرے سے زیادہ پرُعزم اور چونکا دینے والی تھی۔ خواتین آئیں جنہوں نے معمولی رقم سے گھر میں سلائی کڑھائی اور دبکے کا کام شروع کیا۔ ایک اڈھیر عمر خاتون نے گھر کے دروازے ہی میں کریانہ کی چھوٹی سی دکان لگائی، اس آمدنی سے نہ صرف بچیوں کی شادیاں کیں، بلکہ اپنے دمہ کے مریض خاوند کے ساتھ عمرہ بھی کر لیا۔

ایک چالیس پینتالیس سالہ شخص آیا، اس کے چہرے پر عجب قسم کی چمک، آنکھوں سے گویا عزم کے شرارے برس رہے تھے۔ اس کی کہانی نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ بتانے لگے، ''میں نے انٹر میڈیٹ کیا ہوا ہے، ایک نجی کمپنی کے دفتر میں اچھی بھلی نوکری تھی، بچے درمیانے درجے کے پرائیویٹ سکول میں داخل تھے، سفید پوشی سے گزارا ہو رہا تھا۔ ایک دن کمپنی منیجر سے لڑائی ہوگئی، اس نے مالک کو شکایت لگا دی، جس نے دس بارہ سالہ ملازمت کا احساس کیے بغیر فوراً فارغ کر دیا۔ یہ دھچکا اس قدر شدید ثابت ہوا کہ پوری زندگی ہی بدل گئی۔ دوسری ملازمت حاصل کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں۔ کئی مہینے گزر گئے۔ گھر میں موجود جمع پونجی لگ گئی۔ بیوی کے چھوٹے موٹے زیور بھی بک گئے۔ نوبت فاقوں تک آ گئی۔ محلے کے دکانداروں نے ادھار سامان دینا بند کر دیا۔ دوست، رشتہ دار ادھار دے کر تنگ آ گئے حتیٰ کہ انہوں نے فون اٹھانے چھوڑ دیے۔ ملنے جاتا تو اندر سے کہلوا دیتے کہ موجود نہیں۔ ایک روز جب بیوی بچے پر تیسرے وقت کا فاقہ آ گیا تو ارادہ کیا کہ اس ذلت کی زندگی سے مر جانا ہی بہتر ہوگا۔ زہر تک خریدنے کے پیسے نہیں تھے۔ اچانک خیال آیا کہ عرصہ پہلے چوہے مار زہریلی گولیاں خریدی تھیں۔ گولیوں کا وہ پیکٹ ڈھونڈا اور انہیں پیش کر سفوف بنا لیا۔ کچن میں جا کر عرصے سے رکھے پرانے گڑ کا شربت بنایا، اس میں وہ سفوف ملا کر حل کیا اور جگ لے کر بیوی بچوں کو بلایا۔ بیوی حیران ہوئی کہ روٹی تک کے پیسے نہیں ہیں تو یہ شربت کیوں بنا لیا۔ میں نے بیوی بچوں سے کہا کہ یہ شربت پی لو تو تم لوگوں کو ایک خوشخبری سناؤں گا۔ وہ خوش ہو گئے۔ گلاس میں شربت انڈیل کر بڑی بیٹی کو دینے لگا تو میرے چار سالہ بیٹے نے جھپٹ کر گلاس لے لیا، فرط مسرت سے اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا، کہنے لگا، ابو پہلے میں پیوں گا، تاکہ خوشخبری سب سے پہلے سن سکوں۔ اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ میرے بچوں کو میرے اوپر کس قدر اعتماد ہے، وہ بھاگ بھاگ کر میرے ہاتھ سے زہر کا بھرا ہوا گلاس لے رہے ہیں،

انہیں یقین ہے کہ ان کا باپ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس ایک لمحے نے مجھے لرزا دیا۔ میں نے گلاس واپس چھینا اور زہریلا شربت کچے صحن کے ایک گوشے میں انڈیل گیا۔ اگلی صبح میں نے اپنا سائیکل اٹھایا اور اپنے ایک واقف کار کباڑی کے پاس گیا، اسے جا کر کہا کہ میں پھیری لگا کر کباڑ کا سامان لے آتا ہوں۔ وہ حیران ہوا، کہنے لگا کہ تم یہ معمولی کام کر سکو گے؟ جواب دیا، اپنے گھر والوں کے لیے میں ہر کام کرنے کو تیار ہوں۔ سائیکل پر محلوں کے چکر لگاتا رہا، کہیں سے ردی، کہیں سے پرانی بوتلیں، جوتے وغیرہ اکٹھے کرتا رہا۔ شام کو گھر واپس آیا تو اتنے پیسے تھے کہ کھانا پک سکے۔ رفتہ رفتہ کام کا سلیقہ آتا گیا، آمدنی بھی بڑھتی گئی۔ پھر کسی نے اخوت کا بتایا تو ان سے قرضِ حسنہ لے کر خود کباڑی بن گیا۔ آج کئی پھیری والے میرے پاس ملازم ہیں۔ بچے دوبارہ سے پرائیویٹ سکول میں داخل ہو چکے ہیں۔ بڑے بیٹے نے تو اس سال اپنی کلاس میں پوزیشن حاصل کی ہے۔ گھر میں فریج بھی لے لیا ہے، موٹر سائیکل قسطوں پر لے چکا ہوں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ لوگوں میں سے بعض کا
تعلق اخبارات سے ہے۔ میرا صرف ایک پیغام لوگوں تک پہنچا دیں کہ محنت میں عظمت ہے اور کوئی کام بھی بُرا نہیں ہوتا۔ پڑھے لکھے شخص کو بھی وقت آنے پر مزدوری کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ویسے میرا مشاہدہ ہے کہ غربت تو بڑا مسئلہ ہے ہی، مگر آپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرنا اس کی شدت کو بڑھا دیتا ہے۔ گھر میں روٹی کھانے کے پیسے نہیں ہوتے، مگر ہماری عورتیں آس پاس کے گھرانوں کی نقالی کرتے ہوئے دیواروں کے پردے، ٹی وی اور مہنگے برتن خریدنے کی ضد کرتی ہیں۔ مرد تنگ آ کر قرضہ اُٹھا لیتا ہے، اس دلدل میں ایک بار دھنس کر دوبارہ نکلنا ممکن نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ مایوسی کے عالم میں مرنا ہی واحد حل نظر آتا ہے''۔

ان صاحب (نام دانستہ نہیں دیا) کی تقریر آج بھی میرے ذہن میں گونجتی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر اس روز ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں شفقت پدری غالب نہ آ جاتی اور وہ اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کرنے کو عار نہ سمجھتا تو ایک اور المیہ اخبارات اور چینلز کی زینت بن جاتا۔ البتہ اس کی روایت شکنی اور عظمت کی مثال قائم کرنے پر کسی نے دو سطر کی خبر بھی شائع نہیں کی۔ ہم لوگ بنیادی طور پر مایوسی کے پیامبر ہیں۔ منفی خبریں ہمیں بھاتی ہیں اور ہم مایوس کن تاریک مثالوں کو اپنی شعلہ

بیاں تقریروں اور تحریروں کی زینت بناتے ہیں۔ ہم ان پرعزم، محنتی اور غربت کو شکست دینے والے گمنام ہیروز کی کہانیاں نظرانداز کر دیتے ہیں کہ یونانی عہد سے لے کر آج تک المیہ اور ٹریجڈی ہی بکتی آئی ہے۔

کرنے والا اصل کام یہ ہے کہ ایسے پُرعزم، بلند حوصلہ لوگوں کی زندگیوں کو مشعل راہ بنایا جائے۔ اس کے ساتھ جو لوگ زندہ رہنا، موت اور مایوسی کو شکست دینا چاہتے ہیں، انہیں ایک سہارا فراہم کرنا چاہیے۔ اخوت جیسی بلاسود قرضے دینے والی مزید تنظیموں کی شدید ضرورت ہے۔ یہ بھی افسوسناک امر ہے کہ اخوت آٹھ دس برسوں کی محنت، نیک نامی اور کریڈیبلٹی کے باوجود پچاس ساٹھ کروڑ روپے ہی تقسیم کر پائی ہے، اس کا ماہانہ سرکل بھی چند کروڑ تک محدود ہے۔ دوسری طرف پینتیس سے چالیس فیصد سود حاصل کرنے والی تنظیموں کا سرمایہ اربوں تک پہنچ چکا ہے، انہیں بنک بنانے کی بھی اجازت مل چکی ہے، جبکہ اخوت کو ابھی تک بنک بنانے سے روکا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر امجد نے سردیوں کی ایک شام میں بڑے کرب سے بتایا کہ مائیکرو کریڈٹ فنانس کی پاکستانی اور عالمی تنظیمیں اخوت کو بڑی ناگواری کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بلاسود قرضے دینے والی یہ تنظیم مائیکرو کریڈٹ فنانس کی مارکیٹ خراب کر رہی ہے۔ اٹلی میں ہونے والی ایک عالمی کانفرنس میں جیسے ہی ڈاکٹر امجد نے اخوت کا تعارف کرایا، باقی شرکاء نے ان کا عملاً بائیکاٹ کر دیا۔ ہمارے ہاں سود پر پیسے دینے والے لوگ بھی اخوت جیسی تنظیموں کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ یہ سودخور مافیا ریکوری کے لیے بدمعاشوں کی خدمات حاصل کرتا ہے۔ لاہور جیسے شہر میں

سڑکوں اور بازاروں پر عام بینر لکھے مل جاتے ہیں، جن میں زیورات اور جائیداد رہن رکھوا کر قرضہ دینے کی ''خوشخبری'' سنائی جاتی ہے۔ حیرت ہے کہ ان سودخوروں سے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں؟

سوال تو یہ بھی ہے کہ آخر حکومت بلاسود یا برائے نام منافع پر قرضے دینے والی تنظیمیں کیوں نہیں بناتی؟ پنجاب حکومت بھی اخوت جیسی تنظیموں کو ایک دو ارب روپے آسانی سے دے سکتی ہے۔ اسی طرح مرکز میں بے نظیر سپورٹ پروگرام کے لیے پچاس ارب روپے رکھے گئے، یہ رقم ایک سال میں یوں اڑ جائے گی کہ اس کا نام ونشاں تک ڈھونڈنا ممکن نہیں رہے گا۔ کیا یہ مناسب

نہیں کہ اس رقم کا ایک حصہ نیک نام تنظیموں کو بطور عطیہ دے دیا جائے اور باقی رقم مائیکرو کریڈٹ فنانس میں لگائی جائے تا کہ لوگوں کو بھکاریوں کی طرح ہر ماہ ہزار روپے دینے کی بجائے انہیں اپنے قدموں پر کھڑا کیا جائے۔ اسی طرح بیت المال کے فنڈز سے قرضوں کے بوجھ تلے دبوں افراد کی گردنیں آزاد کرائی جائیں۔ یاد رکھیں کہ غربت سے زیادہ مایوسی آدمی کو شکست خوردہ بناتی ہے۔ انہیں امید دلانا، سانس لینے کی مہلت فراہم کرنا ریاست کا کام ہے۔ امدادی کام کرنے والی رفاہی تنظیمیں اپنا کام کر رہی ہیں، مگر اصلاً یہ ریاست کی ذمہ داری ہے۔